رسائل و مسائل

ازواجِ مطہرات کے متعلق ایک نازک بحث

سوال : آپ کی توجہ ایک انتہائی اہم اور حساس موضوع کی طرف مبذول کی جارہی ہے۔ براہ کرم دینی فریضہ سمجھتے ہوئے اس مفسدہ کا سدباب کریں۔ ماہنامہ "الدراسات الاسلامیہ" عربی جو کہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد کے زیرِ اہتمام شائع ہوتا ہے۔ اس میں محرم تا ربیع الاول ۱۴۱۰ھ (دسمبر ۱۹۸۹ء) کے شمارہ میں ڈاکٹر حمید اللہ کا ایک مضمون چھپا ہے جس کا عنوان ہے :

هل خالف النبي عليه الصلوٰة والسلام اوامر الاية .....
مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؟

(کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے احکام کی خلاف ورزی کی
مثنیٰ جس میں دو، تین، چار خواتین سے نکاح کا حکم دیا گیا ہے؟)
اس سوال میں بڑے نازک مگر سنگین مسئلے کو اٹھایا گیا ہے۔

اس موضوع پر خامہ فرسائی فرماتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ آنحضورؐ نے قرآن کے مطابق صرف چار بیویوں سے ازدواجی تعلقات رکھے تھے اور باقی پانچ ازواجِ مطہرات کو صرف اعزازی بیویاں بن کر رہنے کی اجازت تھی جن کے فی الحقیقت کوئی حقوقِ زوجیت نہیں تھے۔ اس طرح ڈاکٹر صاحب نے امہات المومنین کی دو قسمیں بنا ڈالیں : اصل بیوی اور اعزازی بیوی۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ فتنہ ہے تو اس کا سدباب لازم ہے۔ آپ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے ڈائرکٹر صاحب

کو بھی متنبہ کریں کہ ایسے لغو نام نہاد تحقیقی مضامین مت شائع کریں۔ تراشہ ارسال ہے۔"

جواب:۔ میں نے اس خط کے ساتھ مرسلہ تراشہ بھی دیکھا اور پھر شمارہ کا پورا مضمون نکال کر غور و احتیاط سے پڑھا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ پورا مضمون ایسے مواد پر مشتمل ہے کہ یہ باور کرنا محال ہے کہ یہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تراوشِ قلم ہو سکتا ہے۔ اس مقالے پر تبصرہ کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ اس کے ضروری اجزا کا ترجمہ پیش کر دیا جائے۔ اس مضمون کا عنوان مع ترجمہ تو اوپر نقل ہو چکا ہے۔ اب اس کی مترجم تلخیص درج ذیل ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی تو تھوڑے عرصے کے بعد سورۂ النساء نازل ہوئی جس میں حکم دیا گیا:..... "عورتوں میں سے جو تمہیں پسند ہو، نکاح کر لو، دو دو، تین تین، چار چار..... (النساء ۳)" ظاہر آیت سے اباحت نکلتی ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر تحدید کے معنی میں فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جن کے نکاح میں چار سے زاید بیویاں ہوں، وہ زاید کو طلاق دے دیں۔ پس جن صحابہ کرامؓ کے نکاح میں زاید بیویاں تھیں، انہوں نے طلاق دے دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت نو۹ ازواج تھیں۔ آنحضورؐ نے اس تحدید پر عمل نہیں فرمایا۔ کیا آپ کے معاملے میں کوئی اختصاص تھا؟ اس میں کوئی امر مانع نہیں کیونکہ قرآن مجید میں اس مسئلے میں آنحضورؐ کے لیے بعض خاص ازواج کو حلال فرمایا گیا۔ خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ (الاحزاب - ۵۰)..... (یہاں بیان کردہ عورتیں خاص طور پر تمہارے لیے حلال ہیں، دوسرے مومنوں کے لیے نہیں.....)

(پھر ڈاکٹر صاحب اس سوال وجواب پر اکتفا نہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں) ام شیء آخر؟ کیا یہ آنحضورؐ کے لیے اختصاص تھا یا کوئی دوسری صورت تھی؟ پھر لکھتے ہیں:

"اس مسئلے کی اہمیت بدیہی ہے۔ میں نے اس پر طویل مدت تک غور کیا اور کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ اگرچہ ابھی تک مجھے کوئی صراحت نہ مل سکی، لیکن کافی اشارات ملے اور ایسا مواد فراہم ہو گیا جس سے بلا تامل استنباط ممکن ہے۔"

پھر ڈاکٹر صاحب قدم آگے بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ظاہر بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آیت تحدید کے فوراً بعد آپؐ نے ازواج مطہرات کو یکے بعد دیگرے مطلع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک مسلمان کو چار بیویوں سے زاید کی اجازت نہیں دیتا اور آپؐ پر واجب ہے کہ نو ازواج میں سے چار کو طلاق دے دیں۔ لیکن آپؐ کا ارادہ یہ نہیں کہ آپؐ اپنے طور پر کسی بیوی کو بھی طلاق دیں جب تک کہ اس میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہ ہو۔ اس لیے حضورؐ نے مطالبہ فرمایا کہ ازواج اپنے آپ ان چار کا انتخاب کر لیں جو آپ کے حبالۂ عقد میں رہیں اور بقیہ کونسی پانچ ازواج ہوں جن سے مفارقت ہو اور ان کے لیے تادمِ حیات کفالت کا انتظام ہو۔

اور یہ بات بھی بدیہی ہے کہ ازواج میں سے کوئی بھی اس پر راضی نہ ہو گی کہ وہ آپؐ سے جدا ہو اور ایک مسلم خاتون کیسے چاہے گی کہ وہ اُمّ المومنین اور زوجۂ مطہرۂ نبی کے رتبے کو خیر باد کہہ دے؟"

اب میں ڈاکٹر صاحب کے فرموداتِ بالا پر اپنی گذارشات بالاختصار پیش کرتا ہوں
پہلی گذارش تو یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ سورۃ النساء آیت نمبر ۳ کے نزول کے وقت ازواجِ مطہرات کی تعداد نو تھی۔ اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت غزوۂ اُحد کے متصلاً بعد نازل ہوئی ہے۔ جب کہ صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد نے جامِ شہادت نوش فرمایا، اور یتامیٰ، بیوگان کے نکاح و وراثت کے متعدد مسائل اچانک پیدا ہو گئے۔ غزوۂ اُحد شوال ۳ھ میں پیش آیا۔ اُس وقت حرمِ نبوی میں چار درج ذیل

ازواجِ مطہرات موجود تھیں:

حضرت سودہ، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہن۔

غزوۂ اُحد کے بعد جب سورۂ نساء کی ابتدائی آیات نازل ہوئی ہیں، اُس وقت بالیقین حرمِ نبوی انہی چار ازواج پر مشتمل تھا، ان میں سے حضرت حفصہؓ کے سابق خاوند حضرت خنیسؓ اور حضرت اُمِ سلمہؓ کے خاوند حضرت ابوسلمہؓ غزوہ اُحد میں شہید ہو چکے تھے۔ چنانچہ ان ازواج کی دلجوئی اور دستگیری کی خاطر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا۔ حضرت زینبؓ بنت جحش کا نکاح پہلے حضرت زیدؓ بن حارثہ سے ہوا تھا لیکن مزاج کی ہم آہنگی نہ ہونے کے باعث طلاق ہو گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تالیفِ قلب کی خاطر ان سے نکاح غزوۂ احزاب اور محاصرۂ بنی قریظہ کے بعد شوال ۵ھ میں کیا، بلکہ صحیح تر الفاظ میں یوں کہا جائے گا کہ یہ نکاح اللہ تعالیٰ کے براہ راست حکم سے ہوا، کیونکہ سورۂ احزاب آیت ۳۸ کے الفاظ ہیں۔ زَوَّجْنَاكَهَا (ہم نے زینبؓ سے تمہارا نکاح کر دیا)، نیز فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ (یہ کام اللہ نے نبیؐ پر فرض کر دیا)، جس سے ظاہر ہے کہ فرمانِ الٰہی کی تعمیل میں یہ نکاح غزوۂ اُحد کے دو سال بعد ہوا۔ جہاں تک حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کا معاملہ ہے، ان کے خاوند حضرت عبداللہؓ بن جحش بھی غزوہ اُحد میں شہید ہوئے اور ان کی شہادت کے بعد حضرت زینبؓ کی تزویج نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی، مگر آپ نکاح کے بعد فقط دو یا تین ماہ زندہ رہیں اور یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ سورۂ نساء کی آیت مذکورہ کے نزول کے وقت حضرت زینبؓ بنت خزیمہ بقیدِ حیات تھیں یا نہ تھیں۔

بہرکیف ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے کہ النساء کی آیت تحدید نازل ہوئی، "تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت ۹ ازواج تھیں" نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بقیہ ازواج (جن کا ذکر اُوپر نہیں آیا) ان سب کا داخلہ حرم نبوی میں ۵ھ یا اس کے بعد ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت جویریہؓ سے آپؐ کا نکاح غزوہ بنی المصطلق (غزوۂ مریسیع)

۵ھ میں حضرت زینبؓ بنت جحش کے نکاح کے بعد ہوا ہے۔ حضرت اُم حبیبہؓ کا نکاح ۶ھ یا ۷ھ میں ہوا۔ حضرت صفیہؓ غزوہ خیبر ۷ھ کے موقع پر حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔ اس کے بعد سب سے آخر میں ام المومنین حضرت میمونہؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح عمرۃ القضاء ۷ھ میں ہوا۔ خلاصہ بحث میرے نزدیک یہ ہے کہ جب آیت: فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ۔ اُتری ہے، اس وقت رسول اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی تعداد چار تھی، البتہ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر آنحضورؐ کے مزید نکاح کس حکم ربانی کے تحت منعقد ہوئے ہیں۔ اس سوال کا جواب بالکل آسان اور واضح ہے جیسے ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقالے کی ابتدا میں تسلیم کر لیا ہے کہ چار سے زائد نکاحوں کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اختصاص واستثناء عطا فرمایا تھا مگر اس اختصاص کی توجیہات وتشریحات کے سلسلے میں جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے کاش کہ اس سے اجتناب واحتراز فرماتے۔ انھوں نے سورہ الاحزاب کے حوالے سے یہ تو بیان کر دیا کہ آنحضورؐ کے لیے اللہ تعالیٰ نے بعض خاص ازواج کو حلال فرما دیا تھا۔ لیکن پھر یہ غیر ضروری لاطائل سوال اُٹھا دیا کہ: ھل ھذا الاختصاص له ۔۔۔۔ ام شيئ آخر؟ (کیا یہ آپ کے لیے اختصاص تھا ۔۔۔۔ یا کوئی اور بات تھی؟) اس کے بعد ان کی پوری بحث نے اس استفہام کو استفہامِ انکاری بنا کر رکھ دیا ہے۔

بلاشبہ سورۃ النساء کے نزول کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات چار ہی تھیں۔ سورۃ احزاب ۵ھ میں جب نازل ہوئی تو اس میں حضرت زیدؓ کی طلاق کا ذکر آیا اور یہ فرمایا گیا کہ حضرت زینب بنتِ جحش جنہیں طلاق ہوئی، ان کا نکاح ہم نے تم سے کر دیا۔ سورۃ احزاب کی آیت ۳۷، ۳۸ میں آنحضورؐ کے اس پانچویں نکاح کا جواز اور اس کی حکمت ومصلحت کا بیان بھی آ گیا۔ اس کے بعد الاحزاب کی آیت ۵۰ میں فرمایا گیا:

"اے نبیؐ ہم نے تمہارے لیے وہ بیویاں حلال کر دیں، جن کے مہر تم

نے ادا کر دیے اور وہ عورتیں بھی جو تمہارے مِلک میں آئیں اور تمہاری چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد خواتین جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبیؐ کے لیے ہبہ کر دیا ہو، اگر نبیؐ اُس سے نکاح کرنا چاہیں۔ یہ اجازت و رعایت خالصتہً تمہارے لیے ہے، دوسرے مومنین کے لیے نہیں (خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ) پھر فرمایا:

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ۔

"ہم جانتے ہیں کہ عام مومنوں کے لیے ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں کیا کچھ مقرر کیا ہے (تمہارے لیے یہ خاص استثنا ہے)، تاکہ تم پر کوئی تنگی نہ رہے"۔

معلوم ہوا کہ آنحضورؐ کے چار نکاح تو سورۃ النساء کی تحدید کے مطابق تھے۔ مزید پانچویں نکاح اور بعض خاص قبیل کے مزید نکاحوں کی اجازت اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب کی ان آیات کی رُو سے کامل وضاحت و صراحت کے ساتھ آنحضورؐ کو فرما دی۔ اب اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے اس دعوت کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے کہ سورۂ نساء کی آیت تحدید کے فوراً بعد نو ازواج کو یکے بعد دیگرے مطلع فرمایا کہ اب آنحضورؐ پر واجب ہے کہ نو میں سے چار کو طلاق دے دیں اور ازواج مطہرات آپس میں طے کرلیں کہ کون سی چار آپ کی زوجیت میں رہیں اور بقیہ پانچ سے جدائی ہو۔ یہ سرتاپا ایک غلط بے سروپا مفروضہ ہے جس کی کوئی اصل قرآن، حدیث یا کتب سیرت میں موجود نہیں، لیکن ڈاکٹر صاحب اس فرضی بنیاد پر مزید دے جاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "یہ بات بدیہی ہے کہ ازواج مطہرات میں سے کوئی ایک بھی مفارقت پر آمادہ نہ ہوئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ آپ اس مسئلے کو اس طرح حل کریں (کہ چار بیویوں کو نکاح میں رکھ کر پانچ سے مفارقت فرمالیں۔ اس کے بعد

دعا اللہ تعالیٰ فاوحی الیہ ان یبقی جمیعھن فی حبالۃ زواجہ بشرط ان لا یجامع الا اربعاً منھن فقبلن وفرحن لنعمۃ اللہ علیھن نعمۃ جدیدۃ۔ فاختار صلی اللہ علیہ وسلم اربعاً۔

"آنحضورؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تو اللہ نے آنحضورؐ پر وحی فرمائی کہ آپ جملہ ازواج کو اپنے نکاح میں اس شرط پر رکھیں کہ ان میں سے فقط چار سے تعلق زن وشوئی رکھیں۔ ازواج مطہرات نے اسے قبول کر لیا اور نئی نعمت پر خوش ہوئیں جو اللہ نے ان پر نازل فرمائی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار کا انتخاب فرما لیا"۔

گویا ڈاکٹر صاحب کے بقول ازواج مطہرات تو اس نعمتِ جدیدہ پر فرحاں وشاداں ہوئیں۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات گراں گزری کہ ازواجِ مطہرات کو مجبور کیا جائے کہ وہ اہم ترین حقوق زوجیت کو خیرباد کہہ دیں۔ یہ امر آنحضورؐ پر شاق گزرا تو آپ نے اجتہاد کرتے ہوئے امراہون کو اختیار فرمایا، مگر آپؐ چار کی تعداد مباح میں وقتاً فوقتاً تبدل وتغیر کرتے رہے۔ مثلاً ایک مہینے میں ا، ب، ج، د سے تعلقاتِ ازدواجی کو استوار رکھا اور دوسرے مہینے میں ہ، واؤ، ز، ح سے تعلقات برقرار رکھے۔ لیکن مشیتِ الٰہی نے اس تغیر و تبدل سے موافقت نہ کی اور آنحضورؐ نے بالآخر ازواج مطہرات میں سے صرف چار کو جمیع اخلاقی ومادی حقوق کے لیے منتخب فرما لیا۔ اور یہی چار حقیقی معنوں میں ازواج (زوجاتِ عادیہ) تھیں۔ اور بقیہ پانچ اگرچہ حبالۂ ازدواج میں رہیں۔ لیکن انہیں پورے حقوق زوجیت حاصل نہ تھے، وہ اعزازی بیویاں (زوجاتِ شرف) بن کر رہ گئیں۔ اس طرح سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تحدید کی خلاف ورزی نہیں کی جو سورۂ نساء کی آیت .... مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ میں مذکور ہے"۔

ڈاکٹر صاحب نے ازواج مطہرات کی یہ دو طبع زاد قسمیں وضع کی ہیں، جنہیں انگریزی زبان میں FULLFLEDGED OR HONOURARY کہا جائے گا۔

ازواجِ مطہرات کی یہ دوگونہ تقسیم نصوصِ قرآن و سنت سے صریحاً متصادم اور ہتک حرمِ نبوی کے مترادف ہے۔ اِس عجیب و غریب ادعا کے حق میں ڈاکٹر صاحب نے جن آیات و احادیث سے استدلال کی سعی کی ہے، ان کا کوئی تعلق النساء کی آیت تحدید سے نہیں ہے۔ مثال کے طور پر وہ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، الاحزاب سے حضرت عائشہ رضؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تخییر بین الازواج کا حکم دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میں ایک بات تم سے کہنے لگا ہوں لیکن تم اس پر اپنے والدین سے مشورہ کرنے سے پہلے جلدی نہ کرنا۔ پھر آنحضورؐ نے آیتِ تخییر تلاوت فرمائی (جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"اے نبیؐ اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تمہیں دُنیا اور اس کی زینت مطلوب ہے تو آؤ میں تمہیں مال و متاع دے کر خوب صورت طریقے سے رُخصت کردوں اور اگر تمہیں اللہ اور اس کا رسولؐ اور آخرت کا گھر مطلوب ہے تو پھر اللہ نے تم میں سے نیکو کاروں کے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔"

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: اس میں والدین سے مشورے کی کیا بات ہے، میں تو اللہ اور اس کے رسولؐ اور دارِ آخرت کی طالب ہوں۔ پہلی حدیث میں تو اتنا ہی ہے، مگر دوسری حدیث میں مزید یہ ہے کہ "دیگر ازواجِ مطہرات نے بھی وہی کچھ کہا جو میں نے کہا تھا۔" صحیح مسلم اور دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواجِ مطہراتؓ نے نان و نفقہ کی تنگی کا شکوہ آنحضورؐ سے کیا تھا جس کے جواب میں یہ آیت اُتری تھی اور ازواجِ مطہرات سب نے آخرت کو دُنیا پر ترجیح دی تھی۔ احکام القرآن (ابن العربی) اور دیگر کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ آیتِ تخییر کے نزول کے وقت آنحضورؐ کی ازواج چار ہی تھیں: حضرت سودہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ اور حضرت اُمِ سلمہؓ۔
اب ڈاکٹر صاحب اس واقعہ کا تعلق جس طرح سورۂ نساء کے اوائل سے جوڑ رہے ہیں اور اپنے ذہنی اختراع سے جو کہانی بنا رہے ہیں، اس کے کسی جزو کا علاقہ آیتِ تخییر

اور ان احادیثِ بخاری سے آخر کیسے جُڑ سکتا ہے؟

کتبِ حدیث و سیرت میں یہ امر نہایت صراحت و وضاحت سے مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخرین ایامِ وصال تک جمیع ازواجِ مطہرات کے لیے باری کے دن مقرر فرما رکھے تھے، جن میں کوئی تبدیلی یا تاخیر و تقدیم نہ ہوتی تھی۔ حالتِ مرض میں جب آپؐ کا قیام حضرت عائشہؓ کے ہاں تھا، تب بھی آپؐ بار بار دریافت فرماتے تھے کہ کل مجھے کس بی بی کے ہاں جانا ہے۔ جملہ ازواج عیادت کے لیے وہاں موجود تھیں اور سب نے پوری رضا سے اپنی باریاں حضرت عائشہؓ کو دے دیں، تاکہ آنحضورؐ کو زحمت نہ ہو۔ میں زیادہ تفصیل میں جانے کے بجائے بخاری شریف کی دو حدیثیں نقل کیے دیتا ہوں۔ کتاب النکاح کے شروع ہی میں باب کثرۃ النساء میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جو انھوں نے اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ کا جنازہ اُٹھاتے وقت بیان کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ زوجۂ نبیؐ کا جنازہ ہے، غیر ضروری حرکت و جنبش نہ دینا۔ پھر آخر میں فرماتے ہیں: فانہ کان عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسع کان یقسم لثمان ولا یقسم لواحدۃ۔ (نبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نَو تھیں، جن میں سے آٹھ کی باریاں مقرر فرما دی تھیں، البتہ ان میں سے ایک حضرت سودہؓ کی باری مقرر نہیں تھی (انھوں نے اپنی خوشی و رضامندی سے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو تفویض کر دی تھی۔ (میں رسائل و مسائل حصہ ششم کے آخر میں اس مسئلے پر مفصل بحث کر چکا ہوں)۔

حافظ ابن القیم نے اپنی تصنیف زاد المعاد فی ہدی خیر العباد جلد اول کے آغاز میں ازواجِ مطہرات کے مفصل حالات بیان کیے ہیں۔ فصل کے آخر میں فرماتے ہیں:

> لا خلاف انہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی عن تسع وکان یقسم لثمان - عائشۃؓ وحفصۃؓ وزینبؓ بنت جحش وام سلمۃؓ وصفیۃؓ وامّ حبیبۃؓ ومیمونۃؓ وسودۃؓ وجویریۃ

(اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت

ازواج مطہرات کی تعداد نو تھی، جن میں سے آٹھ کے لیے آنحضورؐ نے باریاں مقرر فرما رکھی تھیں۔ ازواج مطہرات کے اسماء یہ ہیں: عائشہؓ، حفصہؓ، زینبؓ بنت جحش، ام سلمہؓ، صفیہؓ، امّ حبیبہؓ، میمونہؓ، سودہؓ و جویریہؓ۔
محدثین اور اہل سیرت نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ غزوات میں اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی زوجہ مطہرہ کو ساتھ لے جاتے تھے تو ان کے لیے قرعہ اندازی فرماتے تھے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔
ڈاکٹر صاحب بار بار سورۂ احزاب کی آیت ۵۰، ۵۱ کے حوالے سے اپنی بات کو دہراتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضورؐ نے حضرت سودہؓ حضرت صفیہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت میمونہؓ کو الگ کر رکھا تھا اور حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت زینب بنت جحشؓ اور حضرت امّ سلمہؓ سے ازدواجی تعلقات برقرار رکھے تھے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کے اس ناروا و بیجا استدلال کا صاف سیدھا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کا مختار و مجاز بنا دیا تھا کہ اپنی ازواج میں سے جنہیں چاہیں الگ رکھیں، جنہیں چاہیں اپنے ساتھ رکھیں۔ اور جنہیں چاہیں علیحدہ رکھنے کے بعد اپنے پاس بلا لیں، لیکن اس سے یہ کیسے لازم و ثابت ہوا کہ فی الواقع آنحضورؐ نے اس اجازت و رعایت سے فائدہ بھی اٹھایا، بعض ازواج سے تعلقات منقطع رکھے اور بعض سے تعلقات برقرار رکھے۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اختیار میں اتنی وسعت کے صوابدید عطا کیے جانے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تادمِ رحلت ان وسیع و ہمہ گیر اختیارات سے استفادہ نہیں فرمایا۔
صحیح بخاری، کتاب التفسیر میں اسی آیت (تُرْجِیْ من تشاء ....) کی تفسیر میں حضرت عائشہؓ کا قول منقول ہے:

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یستاذن فی یوم المرأۃ منّا بعد ان انزلت

هٰذہ الاٰیة۔

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیت تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ...... کے بعد بھی باری جس زوجہ کی ہوتی تھی (اس میں کسی تبدیلی کے لیے) اس زوجہ سے اذن و اجازت لیتے تھے)

فتح الباری (شرح البخاری) میں اس آیت اور حضرت عائشہؓ نے اس کی جو تفسیر بیان فرمائی ہے، اس کے تحت مختلف تاویلات بیان کرتے ہوئے آخر میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: وظاهر ما حكته عائشة من استيذانه انه لم يُرج احدًا منهن يعني انه لم يعتزل وهو قول الزهري: ما اعلم انه ارجأ احدًا من نسائه اخرجه ابن ابي حاتم۔

(حضرت عائشہؓ کے اس قول سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ آیت کے بعد بھی ازواج سے اذن لے کر باریوں میں تبدیلی فرماتے تھے، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیوی سے ارجاء نہیں فرمایا تھا، یعنی کسی زوجہ سے عزلت وعلیحدگی اختیار نہیں فرمائی تھی۔ امام زہریؒ کا قول بھی یہی ہے کہ "میرے علم میں نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات میں سے کسی سے تعلقات منقطع فرمائے تھے۔ ابن حاتم نے اس قول کی سنداً تخریج کی ہے۔

ابن حجرؒ اس بحث کا خاتمہ یوں فرماتے ہیں۔ وعن قتادة اطلق له ان يقسم كيف يشاء فلم يقسم الا بالسويه۔

(قتادہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کے تحت مطلق اور عمومی اجازت دی گئی تھی کہ آپؐ جس طرح چاہیں باریاں مقرر کر دیں لیکن آنحضورؐ نے اس معاملے میں مساوات اور برابری کا رویّہ اختیار فرمایا۔)

سخت تعجب ہے کہ حضرت عائشہؓ اور ان دیگر ائمہ سلف کے متفقہ قول سے صرفِ نظر کرتے ہوئے جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے ابورزین یا محمد بن حبیب بغدادی

کے اس شاذ قول پہ کیسے اعتماد کر لیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت اُمِّ حبیبہؓ اور حضرت میمونہؓ سے تو کنارہ کشی کر لی تھی اور حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت زینبؓ اور حضرت اُمِ سلمہؓ سے ازدواجی روابط و تعلقات کو قائم رکھا تھا؟ ڈاکٹر صاحب خود اعتراف فرماتے ہیں کہ سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۵۰، ۵۱ میں یہ تصریح موجود نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس سبب سے بعض ازواج سے مفارقت کا ارادہ فرمایا تھا؟ پھر فرماتے ہیں کہ اس میں ادنیٰ شک نہیں کہ اس کا تعلق مثنٰی وثُلٰثَ وَرُبٰعَ والی آیت سے ہے۔ یا للعجب! میں کہتا ہوں کہ سورۃ احزاب کی آیت میں اس "مزعومہ مفارقت" کے نہ ارادے کا ذکر ہے، نہ سبب کا ذکر ہے، بلکہ جیسا کہ میں عرض کر چکا، اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کی عائلی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے آپ کو ایک طرح سے کامل اختیارات دے دیئے کہ آپ ازواجِ مطہرات کی باریوں کے معاملے میں جو طرزِ عمل مناسب خیال فرمائیں، اختیار کریں مگر اس کے باوجود آنحضورؐ نے ہمیشہ پوری مساوات کو ملحوظ رکھا۔

ڈاکٹر صاحب نے تفسیر طبری کے حوالے سے یہ بات ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ آنحضورؐ نے چار ازواج سے تعلقات استوار رکھے تھے اور پانچ سے نہیں رکھے تھے۔ حالانکہ اس تفسیر میں مختلف اقوال منقول ہیں، جن میں ابورزین سے پہلے قتادہ کا قول موجود ہے اور وہ یہ ہے: عن قتادۃ .... فجعلہ اللّٰہ فی حل من ذالك ان یدع من یشآء منهن و یاتی من یشاء منهن بغیر قسم وکان النبی اللّٰہ یقسم

(قتادہ کہتے ہیں کہ آیت تُرجی من تشاء ..... کی رُو سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لیے حلال فرما دیا تھا کہ ازواج میں جنہیں چاہیں چھوڑ دیں اور جنہیں چاہیں باری مقرر کیے بغیر حبالۂ عقد میں رکھیں، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم باری کی پابندی فرماتے تھے)۔

قتادہ کا یہی قول معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ فتح الباری میں بھی موجود ہے

جیسے اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔ فی الحقیقت قول راجح یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سے اللہ تعالیٰ نے اگرچہ باریوں اور تقسیم کی پابندی اٹھا لی تھی، لیکن آپؐ نے اس دارِ فانی میں قیام کے آخری وقت تک تقسیم کو ترک نہیں فرمایا۔ بخاری شریف، کتاب النکاح میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے: رسول اللہ علیہ وسلم کان یسئل فی مرضہ التی مات فیہ، این انا غداً، این انا غداً — فاذن لہ ازواجہ ان یکون حیث شاء فکان فی بیت عائشہ حتیٰ مات عندھا۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایامِ مرض میں پوچھتے تھے، کل مجھے کس گھر میں ہونا ہے، کل مجھے کہاں ہونا ہے تو ازواج مطہرات نے آپؐ کو اجازت دی کہ آپؐ جہاں چاہیں قیام فرمائیں۔ پس آپؐ حضرت عائشہ رضؓ کے گھر میں رہے حتیٰ کہ رحلت فرمائی)۔

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے تفسیر طبری کے حوالے سے یہ بھی فرمایا ہے کہ پانچ ازواج کو بغیر طلاق کے ارجاء انعزال میں رکھنے اور ازدواجی تعلقات منقطع کرنے کا فیصلہ واقعہ ایلا میں ہوا ہے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک بالاخانے میں معتکف رہے اور تمام ازواج کی تادیب کے لیے ان سے روابط ترک کر دیئے تھے۔ اگر یہ بات صحیح ہو کہ ازواج مطہرات کی یہ چار اور پانچ کی تفریق ایلا کے وقت ہوئی ہے تو پھر یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ اس تفریق و تقسیم کا تعلق مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ کی آیت سے ہے اور چار ازواج کی تحدید نازل ہونے کے معاً بعد واقعۂ ایلاء رونما ہوا ہے۔ سورۂ تحریم جس میں ایلا کا ذکر ہے، سورۂ نساء کے بہت بعد ۹ھ میں نازل ہوئی ہے۔ صحیح بخاری اور دیگر کتب صحاح میں حضرت عمر کی زبانی پورا واقعہ بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے ایک انصاری پڑوسی نے آدھی رات کو آکر حضرت عمرؓ کو اٹھایا اور بتایا کہ ایک بڑا حادثہ پیش آگیا ہے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا والیٔ غسان نے حملہ کر دیا ہے؟ تو انصاری صحابیؓ

نے جواب میں کہا: نہیں اس سے بھی بڑا واقعہ رونما ہو گیا ہے، آنحضورؐ نے ازواج مطہرات کو غالباً طلاق دے دی ہے اور ان سے الگ عزلت نشین ہو گئے ہیں۔ حافظ ابن حجر اور دوسرے محدثین نے ثابت کیا ہے کہ غسانیوں کے حملہ کا خدشہ ۹ھ کے اوائل میں تھا۔ فتح الباری، باب فَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ.... میں شرح کرتے ہوئے ابن حجر فرماتے ہیں: فان التخییر کان فی سنۃ تسع (تخییر کا واقعہ ۹ھ میں پیش آیا تھا۔) ۱۰ھ میں آنحضورؐ نے حج کا اعلان فرمایا اور حجۃ الوداع کے فریضہ سے فارغ ہوئے۔ ربیع الاول ۱۱ھ میں آپؐ نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔ دوسرے الفاظ میں ایلا و تخییر کے جس واقعہ کا ذکر حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ آنحضورؐ کے وصال سے فقط دو سال قبل کا ہے۔ کیا یہ بات قابلِ فہم اور قرینِ قیاس ہو سکتی ہے کہ آپؐ نے حیاتِ طیبہ کے آخری دو سالوں میں ازواج مطہرات میں سے چار کو تو ہر طرح کے ازدواجی تعلقات کے لیے مختص فرمایا ہو اور بقیہ ازواج کو برائے نام حلقۂ زوجیت میں رکھا ہو۔

مزید برآں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اقدام سورہ نساء کی آیت تحدید کا نتیجہ ولازمہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ سورۃ النساء اور سورہ تحریم کے نزول میں پانچ سال کا زمانی تفاوت ہے؟ مگر ڈاکٹر صاحب کا اصرار ہے کہ چار ازواج کا حکم آنحضورؐ پر بھی لاگو تھا، لیکن اس کی تعمیل و تطبیق آپؐ نے پانچ سال کے بعد کی اور اس شکل میں کی کہ چار کو تو پورے حقوق زوجیت عطا کیے۔ اور پانچ کو "اعزازی" ازواج (علی شرف) کے زمرے میں رکھا۔ پھر اُلٹی زقند لگاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے یہ نکتہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ارجاء وایوا کا واقعہ آیت مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ سے قبل رونما ہوا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اسوۂ حسنہ مسلمانوں کے لیے پیش فرمایا ہو کہ عامۃ المسلمین سے چار ازواج کی پابندی پر عمل کرنے سے پہلے آنحضورؐ نے خود بھی چار پر اکتفا فرمایا ہو! لیکن ڈاکٹر صاحب نے اکتفا کی جو عجیب و غریب اور غیر معقول صورت ایجاد فرمائی وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ؏ دلم بسوخت زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

آخر میں فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اختصاص و امتیاز "واجبات" میں تو تھا مگر "حقوقِ مادیہ" میں نہیں تھا۔ معلوم نہیں کہ فاضل مؤلف کے ہاں "واجبات" سے کیا مراد ہے اور "حقوقِ مادیہ" میں حقوقِ ازدواجی اور تعلقاتِ زناشوئی کیوں شامل نہیں ہو سکتے؟ پھر یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ "حقوقِ مادیہ" میں آنحضورؐ کو اختصاص کیونکر نہ تھا؟ آپ نے بنو ہاشم کے لیے صدقاتِ واجبہ کو ناجائز فرما دیا تھا۔ اپنے ترکے میں وراثت جاری نہیں فرمائی۔ کیا یہ "حقوقِ مادیہ" میں داخل نہ تھے؟

اتنا کچھ لکھا جا چکا تھا کہ خیال آیا کہ ڈاکٹر صاحب کی ایک کتاب "رسول اکرم کی سیاسی زندگی" بھی چھپ چکی ہے، اُسے بھی ایک نظر دیکھا جائے، چنانچہ معلوم ہوا کہ اس میں ایک باب کا عنوان "امہات المومنین" ہے۔ یہ مضمون ۱۹۴۲ء میں سپردِ قلم ہوا اور اب کتاب مذکور میں شامل ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ اس مضمون میں بھی فاضل مصنف نے بعینہٖ وہی موقف اختیار کیا ہے جو انہوں نے حالیہ عربی مقالے میں کیا ہے۔ اگر طوالتِ بحث کا خدشہ نہ ہوتا تو اس کے بیشتر اجزا یہاں نقل کر دیے جاتے۔ تاہم چند اقتباسات دینا ضروری ہے۔ اس باب کا ایک ذیلی عنوان ہے: رسول اللہؐ کو چار سے زاید بیویاں کیوں؟ اس کے تحت فرماتے ہیں:

"یہ سب جانتے ہیں کہ قرآن نے بعض شرائط کے تحت مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی اجازت ہے۔ خود رسولِ اکرمؐ کے حرمِ محترم میں ایک زمانے میں نو بیویاں تھیں۔ ایسا کیوں؟ کیا یہ خصوصیاتِ نبوی میں سے ہے یا کوئی اور معقول وجہ۔ بہرحال یہ تو نہیں ہونا چاہیے کہ تعلیم تو ایک حکم کی دی جائے اور تعمیل میں اُس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ جب کوئی امر خصوصیاتِ نبوی کا ہوتا ہے تو قرآن و حدیث میں صراحت آ جاتی ہے تاکہ کسی بدگمانی یا غلط فہمی کا اندیشہ نہ رہے...... لیکن نہ قرآن میں نہ حدیث میں رسول اکرمؐ کے متعلق چار سے زیادہ بیویوں کی خصوصی اجازت کا کوئی اشارہ ہے۔ ان

حالات میں کوئی اور وجہ ہونی چاہیے۔ غور و بحث پر ہماری ناچیز سمجھ میں جو بات آئی ہے وہ حسب ذیل ہے:

مفسروں اور مؤرخوں نے متفقہ طور پر ذکر کیا ہے کہ رسول اکرمؐ کا آخری نکاح اس آیت کے نزول سے قبل کا واقعہ ہے، جس میں منکوحہ بیویوں کی تعداد کو چار تک محدود کیا گیا.....

مؤرخ اور مفسر بیان کرتے ہیں کہ جب تحدید زوجات کی آیت نازل ہوئی تو رسول اکرمؐ نے اپنی ازواج کو اختیار دیا کہ جو چاہے تفریق منظور کرے اور آپؐ اسے گزارہ مہیا فرمائیں گے۔ اور جو چاہے مسکن نبویؐ کی زاہدانہ اور شدت کی زندگی پر باقی رہے۔ (قرآن $\frac{۳۳}{۲۸،۲۹}$)۔ کون سی عورت ہوگی جو اُمّ المومنین کے قابل فخر رتبے سے دست بردار ہونا پسند کرے۔ غرض جدائی کسی نے بھی منظور نہ کی اور کسی کا کردار بھی قابلِ اعتراض نہ تھا کہ رسول اکرمؐ خود اُسے طلاق دیں۔

اب حسب احکامِ وحی رسول اکرمؐ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ "میں تم کو اس شرط پر اپنی بیویوں کی حیثیت سے باقی رکھ سکتا ہوں کہ زناشوئی کے تعلقات صرف چار سے باقی رکھوں گا، باقی سے نہیں" سبھوں نے اسے منظور کیا۔ اس وحی میں آپؐ نے (لیظاہر اپنے اجتہاد سے) یہ گنجائش پائی کہ ایسی چار بیویوں کو ادل بدل کرتے رہیں۔ مثلاً ایک مہینہ پہلی چار کو، دوسرے مہینے دوسری چار کو وغیرہ تاکہ چھوڑی ہوئی بیویوں کو دل میں رنج نہ ہو (قرآن $\frac{۳۳}{۵۱}$)۔

کچھ عرصہ بعد تازہ وحی آئی ($\frac{۳۳}{۵۲}$) کہ اب آئندہ اس کی بھی اجازت نہیں رہے گی۔ اور ایک مرتبہ جن چار کا انتخاب کر لیا جائے گا، وہ اٹل ہو گا۔ حضور اکرمؐ نے جن چار کا انتخاب فرمایا وہ نہ کم سنی پر مبنی تھا اور نہ خوب صورتی پر، بلکہ علم و ذہانت اس کا معیار نظر آتا ہے تاکہ عورتوں میں اور خاص کر عورتوں کے خصوص احکام میں اسلامی شریعت کی وہ حامل

اور ترجمان نہیں ۔ ان حالات میں رسول اکرمؐ کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں رہتا، بلکہ قول کی ممکنہ تعمیل کی پوری کوشش نظر آتی ہے"۔

ڈاکٹر صاحب کا عربی مقالہ اور رد کا مضمون ایک دوسرے کا چربہ دکھائی دیتے ہیں ۔ اس تحقیق انیق پر

ع ناطقہ سربگریباں ہے، اسے کیا کہیے

(ملک غلام علی)

(بقیہ دینی جدوجہد کا اصل محور)

دعوا اللہ کے پیغامات پہنچاتے اور اسی سے ڈرتے ہیں اور ایک اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے) يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ - مائدہ) ــــ (جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے) بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ - انبیاء) ــــ مگر ہم تو باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں جو اس کا سر توڑ دیتی ہے اور وہ دیکھتے دیکھتے مرٹ جاتا ہے) وغیرہ جیسے کلمات و احکامات کیا معنی رکھتے ہیں اور کس وقت عمل کے لیے ہیں ــــ حکمت تو یہ ہے کہ دعوتِ اسلام ٹھنڈے طریقے سے ہو اور مناظرانہ رویہ کے بجائے موعظہ حسنہ کو اختیار کیا جائے ۔ اور جس طرح نسخہ کا استعمال کراتے ہوئے مریض کے مزاج اور اس کی کیفیت کو بھی دیکھا جاتا ہے، اسی طرح اس قوم کی مصلحت بھی پیشِ نظر رہے ، لیکن اس علاج کو کون سمجھدار حکمت سے تعبیر کرے گا کہ مریض کے تو پھیپھڑے اور دل گردے گل سڑ رہے ہوں، لیکن دوا دی جائے صرف کھانسی اور بخار کی ۔ (باقی)